۹؍ دسمبر ۱۹۰۴ء

خطبہ عید الفطر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ یُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (البقرہ:۱۳۰) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یہ ایک دعا ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب رب العزت اور رب العالمین' اللہ جلشانہ کے حضور مانگی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس دنیا میں اسلام کے آنے اور اس کے ثمرات کے ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ایک دعا کی تقریب پیدا کردی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تو ہمارا رب اور مربی اور محسن ہے۔ تیری عالمگیر ربوبیت سے جیسے جسم کے قویٰ کی پرورش ہوتی ہے' عمدہ اور اعلیٰ اخلاق سے انسان مزین ہوتا ہے' ویسے ہی ہماری روح کی بھی پرورش فرما اور اعتقادات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا۔ اے اللہ! اپنی ربوبیت کی شان سے ایک رسول ان میں بھیجیو جو کہ "مِنْھُمْ" یعنی انہی میں سے ہو اور اس کا کام یہ ہو کہ وہ صرف تیری (اپنی نہیں) باتیں پڑھے اور پڑھائے اور صرف

یہی نہیں بلکہ ان کو سمجھا اور سکھلا بھی دے۔ پھر اس پر بس نہ کیجیو بلکہ ایسی طاقت' جذب اور کشش بھی اسے دیجیو جس سے لوگ اس تعلیم پر کاربند ہو کر مزکی اور مطہر بن جاویں۔ تیرے نام کی اس سے عزت ہوتی ہے کیونکہ تو عزیز ہے اور تیری باتیں حق اور حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اس دعا کی قبولیت کس طرح سے ہوئی وہ تم لوگ جانتے ہو۔ اور یہ صرف اس دعا ہی کے ثمرات ہیں جس سے ہم فائدے اٹھاتے ہیں۔

دعا ایک بڑی عظیم الشان طاقت والی شے ہے۔ علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے جب دوسرے نبیوں کی کامیابیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کا باعث بھی صرف دعا ہی کو پاتے ہیں۔ وہ دعا ہی تھی جس نے حضرت آدم کو کرب و بلا سے نجات دی۔ اور وہ دعا ہی تھی جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو پار لگایا۔ قرآن شریف کے ابتداء میں بھی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ:٦) اور انتہا بھی دعا ہی پر ہے یعنی اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس:٢)۔ جب ہم نبی کریم علیہ السلام کی زندگی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے چلنے پھرنے' اٹھنے بیٹھنے' کھانے پینے' نماز کے ادا کرنے' سودا سلف لانے' بات چیت کرنے' غرضیکہ ہر ایک کی ابتداء دعا ہی سے ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ مضطر کی تسکین کا باعث اور کمزور طبائع کی ڈھارس یہی دعا ہے۔ جب انسان کسی غرض کی تکمیل کے لئے ظاہری سامان مہیا کرتا ہے تو اسے یہ علم ہرگز نہیں ہوتا کہ اس سے ضرور وہ غرض حاصل ہو جاوے گی۔ کیونکہ سامان کے بہم پہنچ جانے کے بعد اور مخفی در مخفی ایسے اسباب اور واقعات کی ضرورت ہوتی ہے جن پر اس کا علم ہرگز محیط نہیں ہوتا' تو اس وقت صرف دعا ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے وہ اپنی غرض مطلوبہ کے حاصل کرنے کے لئے امداد طلب کر سکتا ہے اور اسی سے وہ مخفی در مخفی اسباب میسر ہو جاتے ہیں جن سے اس غرض کی تکمیل ہوتی ہے۔

بعض کمزور طبائع جو کہ دعا کی اس خوبی سے ناواقف ہیں ان کو چاہئے اور لازم ہے کہ اسے ایک مجرب نسخہ مان کر استعمال کریں۔ کیونکہ یہ ہزارہا راستبازوں کا تجربہ کیا ہوا ہے۔ طبابت میں بھی عمدہ اور اعلیٰ نسخہ وہی ہوتا ہے جو کہ بہت سے بیماروں پر مفید ثابت ہوا ہو۔ اور اگرچہ ایک دو کو مضر بھی ہو لیکن فائدہ کی کثرت اس کے عمدہ ہونے پر کافی دلیل ہوتی ہے۔ یہی حال دعا کا ہے۔ ہر ایک کی طبیعت ایجاد نہیں کر سکتی۔ اس لئے عام اور کمزور طبائع کے لئے مجربات کا استعمال داناؤں نے بھی تجویز کیا ہے۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں کو بھی پہلے فرضی طور پر اس کی خوبیوں کو مان کر اس پر عملدرآمد شروع کرنا چاہئے۔ جس قدر بڑے بڑے علوم ریاضی' ہندسہ' جغرافیہ' علم الافلاک' صرف و نحو وغیرہ ہیں ان سب کی ابتداء

اول فرض پر ہے۔ پھر اس پر ہی انسان ترقی کر کے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج پر پہنچ جاتا ہے۔ ایک پولیس مین کے کہنے پر فرضی طور پر ایک گھر کی تلاشی لی جاتی ہے۔ اگرچہ صرف ظنی امر ہوتا ہے مگر بسااوقات مال بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ نبی کریم کی تعلیم سے اور سابقہ راستبازوں کے تجربہ کی بناء پر دعا کو ذریعہ بناوے اور اپنی کمزوری کی آگاہی کے لئے بھی دعا ہی کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ دعا کیسی عجیب اور ضروری شے ہے۔ دعا کے ساتھ خدا تعالیٰ نے صبر کی بھی تعلیم دی ہے کیونکہ بعض وقت مصلحت الٰہی سے جب دعا کی قبولیت میں دیر ہوتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ پر سوء ظن کرنے لگتا ہے اور نفس دعا کی نسبت اسے شکوک اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے استقلال اور جناب الٰہی پر حسن ظن رکھے۔

جو آیت میں نے پڑھی ہے وہ ثمرہ دعا ابراہیمؑ ہے اور اس میں ظاہر فرمایا ہے کہ ایک رسول ہونا چاہئے جو کہ تیری آیات پڑھے اور پڑھائے اور لوگوں کو مزکی اور مطہر کرے۔ یہ تین باتیں ہیں جو کہ اس دعا کے ذریعہ چاہی گئی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اول دو باتیں تعلیم اور تعلم تو اب تک موجود ہیں۔ بچہ بچہ اور عورتیں اور مرد اور حفاظ قرآن کی تلاوت میں مصروف ہیں اور عالموں اور واعظوں کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن شریف کے اسرار و حقائق کا بھی کچھ نہ کچھ علم ہوتا ہے۔ اور دونوں سلسلوں نے اب تک جاری رہ کر اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نے قبولیت کا شرف دو تہائی حصہ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن کیسے افسوس کی بات ہو گی اگر ہم یہ مان لیں کہ اس دعا کی جزو اعظم، دوسروں کو مزکی و مطہر بنانے کا کوئی سلسلہ نبی کریم کی طرف سے موجود نہ ہو۔ رسول کی بعثت کی علت غائی اور دعا کا مغز اور لب لباب تو یہی تھا۔ اور پھر اگر یہی نہیں رہا تو دعا کی قبولیت کیا ہوئی۔ خدا تعالیٰ کو چونکہ علم تھا کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو کہ اس دعا کی قبولیت کی نفی کریں گے اس لئے اس نے اپنے پاک کلام میں وعدہ فرمایا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر:١٠) اور دوسری جگہ فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ (النور:٥٦) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین لوگوں کو مزکی اور مطہر بناتے رہیں گے۔ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ (النور:٥٦) جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس میں طاقت پیدا کر دیں گے اور ایسی مقدرت عطا کریں گے جس سے نفوس کا تزکیہ ہو۔ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا (النور:٥٦) ان کو مشکلات بھی پیش آویں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی پناہ ہو گا۔

مشکلات پیش آنے کا یہ باعث ہوا کرتا ہے کہ انسانی طبائع کسی کا محکوم ہونے میں مضائقہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہماری حکومت کو یہ لوگ طوعاً اور کرہاً مانتے ہیں۔ پس جب خدا کی حکومت کا یہ حال ہے تو پھر جب انبیاء علیہم السلام کی حکومت ہوتی ہے اس وقت لوگوں کو اور بھی اعتراضات سوجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ لَوْ لَانُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:۳۲) کہ وحی کا مستحق فلاں رئیس یا عالم تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ لوگ رسول کی بعثت کے لئے خود بھی کچھ صفات اور اسباب تجویز کرتے ہیں جس سے ارادہ الٰہی بالکل لگا نہیں کھاتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جب رسول کے خلیفہ کی حکومت ہو' تب تو ان کو مضائقہ پر مضائقہ اور کراہت پر کراہت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ (الزخرف:۳۳) کہ کیا یہ لوگ الٰہی فضل کی خود تقسیم کرتے ہیں؟ حالانکہ دیکھتے ہیں کہ وجہ معاش میں ہم نے ان کو خود مختار نہیں رکھا اور خود ہم نے اس کی تقسیم کی ہے۔ پس جب ان کو علم ہے کہ خدا کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے تو پھر انبیاء اور ان کے خلفاء کا انتخاب بھی اس کے ارادہ سے ہونا چاہئے۔

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (الحجرات:۸) کہ تم میں محمدؐ خدا کا رسول ہے۔ اگر تمہاری رائے پر چلے تو تمہیں مشکلوں اور دکھوں کا سامنا ہو۔ یہ خدا کا ہی انتخاب ہے جو کہ اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ یہ اسی کا فعل ہے کہ امام بناوے' خلیفہ بناوے۔ تمہاری سمجھ وہاں کام نہیں آسکتی۔ "رموز سلطنت خویش خسرواں دانند۔" اگر اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہمارے کہنے سے مامور کر دے اور اس کے اخلاق ردی ثابت ہوں' ظالم' خود غرض' کینہ پرور نکل آوے تو دیکھو کس قدر مشکل پڑے۔ اسی لئے لوگوں کو انجمنوں اور سماجوں میں اپنے منتخب کردہ پریذیڈنٹوں کو منسوخ کرنا پڑتا ہے یا وہ لوگ خود الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان جب سے پیدا ہوا ہے اپنے جسم کو چیر پھاڑ رہا ہے اور زمین کا ایک ایک روڑا الٹ دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کے بچاؤ کا سامان نکل آوے مگر دیکھ لو کہ کچھ پیش نہیں گئی۔ فن جراحی میں کمال کر دیا۔ ہر ایک مرض کے جرم معلوم ہو گئے ہیں مگر پھر بھی بیماریاں ہیں۔ موت کا بازار گرم ہے۔ اس نے زمانہ سے ۳ لاکھ سال پیشتر تک کا پتہ دیا ہے کہ یہ تھا۔ لیکن کل کیا ہو گا یا چند منٹوں کے بعد کیا پیش آنے والا ہے؟ اس کا اسے علم نہیں۔ پھر کیسی نادانی ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام کے انتخاب کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی اور مامور ہمارے کہنے سے ہو۔

پس سوچنے کا مقام ہے کہ جب تلاوت اور تعلیم کا سلسلہ اس دعا کے مطابق ختم نہیں ہوا تو پھر

تزکیہ نفس کا سلسلہ یعنی مامورین الٰہی کا وجود کیوں ختم ہو جاوے؟ اور جیسے رسولوں کی رسالت کسی کی رائے اور کہنے پر نہیں ہوتی تو خلافت کسی کے کہنے سے کیوں ہو؟ جو ماموراور مرسل آتے ہیں وہ خدا ہی کے انتخاب سے آتے ہیں۔ مخالفت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی ہو اور وہ بتلاوے کہ یہ ہمارا انتخاب اور ہمارے ہاتھ کا پودا ہے۔ اسی لئے ان لوگوں کے بیرونی اور اندرونی دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جن کو یہ لوگ بڑے زور سے چیلنج دیتے ہیں۔ اِعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ تَکُوۡنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ (الانعام:۱۳۶) کہ تم اپنی جگہ کوئی دقیقہ میری تباہی اور ناکامی کا ہرگز نہ چھوڑو اور کام کئے جاؤ اور میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں۔ انجامکار خود پتہ لگ جاوے گا کہ مظفر و منصور کون ہے؟ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَکُمۡ وَ شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُنۡ اَمۡرُکُمۡ عَلَیۡکُمۡ غُمَّۃً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَیَّ وَ لَا تُنۡظِرُوۡنِ (یونس:۷۲) کہ میرا بھروسہ خدا پر ہے۔ تم سب جمع ہو کر جو حیلہ چاہو کرلو اور ایسا کرو کہ تم کو اپنی کامیابی میں کوئی شک و شبہ نہ رہے اور کوئی مفر میرے لئے نہ رہنے دو۔ پھر دیکھ لو کہ تم ناکام اور میں بامراد ہوتا ہوں کہ نہیں۔ پس ایسے ایسے موقعوں پر خدا تعالیٰ اپنے مرسلوں کے دشمنوں کو بیدست و پا کر کے بتلاتا ہے کہ دیکھو میں اس کا محافظ ہوں کہ نہیں اور یہ ہمارا مرسل ہے کہ نہیں۔ غرضیکہ انبیاء کی بعثت میں ایک سر ہوتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے الٰہی تصرف اور اقتدار کا پتہ لگتا ہے۔

بیعت کے معنے اپنے آپ کو بیچ دینے کے ہیں اور جب انسان کسی کو دوسرے کے ہاتھ پر بیچ دیتا ہے تو اس کا اپنا کچھ نہیں رہتا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے نفسوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیچ کر آپ کی اطاعت کو کہاں تک مد نظر رکھا ہوا تھا' اس کا حال دو حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر میں کرتا ہوں۔ جمعہ کے روز خطبہ ہو رہا تھا اور لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ ایک صحابی اس وقت مسجد کی گلی میں آ رہے تھے۔ آپ کو بھی یہ آواز پہنچ گئی اور جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے سمجھا کہ خدا معلوم مسجد جانے تک جان ہوگی یا نہ۔ یہ حکم سنا ہے۔ اسی وقت اس کی تعمیل کرلوں۔

دوسرا واقعہ ایک صحابی کعب نامی کا ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور دولتمند آدمی تھا۔ آپؐ نے جب غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم جماعت کو دیا تو ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ تیاری کرنے لگا اور کعب نے خیال کیا کہ چونکہ میں ایک امیر آدمی ہوں اس لئے جس وقت چاہوں گا ہر ایک سامان مہیا کروں گا۔ چونکہ بستی کوئی بڑی نہ تھی کہ افراط سے ہر ایک شے موجود ہوتی' اس لئے لوگ تو طیاری

کر کے روانہ ہو گئے اور کعب پیچھے رہ گیا۔ جب وہ بازار میں گیا تو اسے کچھ بھی نہ ملا۔ اس کاہلی اور سستی کا اور کیا نتیجہ ہوتا۔ آخر کار شمولیت سے محروم رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو کعب ایک حدیث میں خود بیان کرتا ہے مجھے غم نے تنگ کیا اور میں جھوٹ بولنے کا ارادہ کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ ایسی بات کہوں کہ آپؐ کے غصہ سے بچ جاؤں اور اپنی برادری کے ہر عقلمند سے اس میں اعانت کا طلبگار ہوا۔ جب خبر لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اس وقت مجھ سے یہ کذب دور ہو گیا اور میں نے جان لیا کہ آپؐ کے روبرو جھوٹ بولنے سے مجھے کبھی نجات نہ ہو گی۔ پس میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الصباح مدینہ میں آ پہنچے۔ اور جب آپؐ سفر سے تشریف لایا کرتے تھے تو اول مسجد میں نزول فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں کی ملاقات کے لئے وہاں ہی بیٹھ گئے۔ پس مختلف لوگ آتے اور سوگند کھا کھا کر اپنے تخلف کے عذر آپ کے سامنے بیان کرتے تھے اور یہ لوگ اسی آدمی سے کچھ زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرمایا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمائے۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر غضبناک آدمی کی طرح تبسم فرمایا اور مجھے کہا آگے آ۔ میں سلام کہہ کر آپؐ کے آگے بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے مجھے فرمایا کہ تو کس سبب پیچھے رہ گیا۔ کیا تو نے سواری خرید نہیں کی تھی؟ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر آج میں آپ کے سوا کسی دنیادار آدمی کے روبرو ہوتا تو خدا تعالیٰ نے مجھے کلام میں ایسی فصاحت عطا کی ہے کہ آپ دیکھتے کہ میں عذر بیان کر کے اس کے غصہ سے صاف نکل جاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر میں آج جھوٹ بول کر آپ کو خوش بھی کر لوں گا تو عنقریب خدا تعالیٰ آپ کو مجھ پر غضبناک کر دے گا۔ مگر خدا تعالیٰ سے مجھے عافیت کی امید ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ مجھے کوئی عذر نہ تھا اور میں تخلف کے وقت پہلے سے بھی قوی اور خوش گذران تھا۔ (میری عرض سن کر) آپ نے فرمایا۔ بیشک اس نے سچ کہا (اور مجھے فرمایا) اٹھ کھڑا ہو اور چلا جا تا کہ خدا تعالیٰ تیرے حق میں فیصلہ کرے (میں اٹھ کھڑا ہوا) اور بنی سلمہ میں سے کچھ آدمی میرے پیچھے ہو لئے اور مجھے کہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی قسم ہے، ہم نہیں جانتے کہ تو نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہو۔ آج تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایسے ہی عذر کیوں نہ کئے جیسے دوسرے متخلفوں نے کئے تھے۔ تیرے گناہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کافی تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ وہ لوگ ایسے میرے پیچھے ہوئے کہ ان کے کہنے سے میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ لوٹ کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی پہلی تقریر کی تکذیب کروں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ اس کام میں میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے (یعنی کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے میری جیسی تقریر کی ہو)۔ انہوں نے کہا ہاں دو آدمیوں نے تیری جیسی تقریر کی ہے اور ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے جیسا تجھے فرمایا ہے۔ میں نے کہا وہ دونوں کون کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ایک مرارہ بن ربیعہ عامری اور دوسرا ہلال بن امیہ واقفی۔ وہ کہتا ہے کہ لوگوں نے ایسے دو آدمی صالح کا نام لیا کہ جو بدر میں حاضر ہوئے تھے اور جن کا اقتدا کرنا چاہئے تھا۔ کہتا ہے جب انہوں نے میرے روبرو ان دونوں کا ذکر کیا تو میں چلا گیا اور لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلی تقریر کی تکذیب کرنے نہ گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متخلفین میں سے ان تین آدمی سے کوئی کلام نہ کرے۔ کہتا ہے کہ لوگ ہم سے اجتناب کر گئے یا کہا کہ لوگ ہم سے متغیر ہو گئے کہ وہ زمین بھی مجھے اوپری معلوم دینے لگی۔ گویا وہ زمین ہی نہ تھی جس کو میں پہچانتا تھا۔ پس ہم پچاس رات اسی حال میں مبتلا رہے۔ میرے ان دونوں یاروں نے عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ کر رونا شروع کیا۔ اور میں جوان دلیر تھا۔ بازاروں میں پھرتا تھا اور نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ مگر مجھ سے کوئی کلام نہ کرتا تھا اور میں نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آن کر سلام کہتا اور دیکھتا کہ سلام کے جواب میں آپؐ کے لب مبارک نے حرکت کی ہے کہ نہیں۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑا ہو کر نماز پڑھتا اور آنکھ چرا کر آپ کی طرف

دیکھتا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف نظر کرتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے۔ جب مسلمانوں کی کڑائی مجھ پر بہت ہو گئی تو ایک دن میں ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر جو میرا چچازاد بھائی تھا اور میری اس سے بہت محبت تھی باغ میں گیا۔ میں نے اس کو السلام علیکم کہا مگر اس نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا۔ اے ابو قتادہ! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تجھے معلوم ہے کہ میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں۔ وہ خاموش رہا اور مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے پھر اس کو قسم دے کر کہا۔ وہ خاموش ہی رہا اور مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے پھر تیسری دفعہ جب قسم دے کر کہا تو اس نے اس قدر کہا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میرے اشک جاری ہو گئے اور اسی طرح سے دیوار پر سے ہو کر وہاں سے نکل آیا۔ میں بازار میں چلا جاتا تھا کہ ایک آدمی شام کے لوگوں میں سے جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے کو آئے تھے کہتا پھرتا تھا کہ کوئی مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتلاوے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر

دیا۔ اس نے مجھے غسان کے حاکم کا خط دیا اور چونکہ میں لکھا پڑا تھا میں نے وہ خط پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔ امابعد! ہم کو خبر پہنچی ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر ظلم کیا اور خدا تعالیٰ نے تجھے ذلیل وضائع نہیں کیا۔ تو ہمارے پاس چلا آ' ہم تیری پرورش کریں گے۔ خط پڑھ کر میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ بھی ایک بلا آئی۔ (کفار کو ہماری طرف طمع ہو گئی) میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا۔ جب اس حال کو چالیس روز ہو گئے تو ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا بھیجا ہوا آیا اور مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تجھے فرمایا ہے کہ تو اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا۔ میں نے کہا کہ آپ نے طلاق دینے کو فرمایا ہے یا کیا؟ اس نے کہا طلاق کو نہیں فرمایا۔ مجامعت سے منع فرمایا ہے اور دوسرے دونوں میرے یاروں کو بھی یہی کہلا بھیجا ہے۔ میں نے اپنی عورت کو کہا کہ جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کا حکم نہیں آتا تو اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا۔ اور ہلال بن امیہ کی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہلال بن امیہ بوڑھا ناکارہ ہے۔ اس کا خادم کوئی نہیں۔ کیا آپ اس کی خدمت کرنے سے مجھے منع فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ وہ تجھ سے مقاربت نہ کرے۔ اس نے عرض کی کہ خدا تعالیٰ کی قسم ہے وہ اس کام کے لائق ہی نہیں۔ واللہ! وہ جس روز سے اس حال میں مبتلا ہوا ہے آج تک دن رات روتا ہی رہا ہے۔ بعضے لوگوں نے مجھے کہا کہ تو بھی اپنی عورت کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اجازت طلب کر جیسے ہلال کی عورت نے آپ سے اس کی خدمت کرنے کا اذن لے لیا ہے۔ میں نے کہا اگر میں اس امر میں آپؐ سے عرض کروں' معلوم نہیں آپ کیا جواب دیں اور میں جوان آدمی ہوں (یعنی عورت کے پاس ہوتے مجھے صبر کرنا مشکل ہے)۔ یہاں تک کہ دس رات اور گذر گئیں اور ہمارے اس حال کو پچاس راتیں ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر پڑھ کر اسی حالت میں بیٹھا تھا جیسے خدا تعالیٰ نے قرآن میں ہماری خبر دی ہے اور میرا دم بسبب غم کے بند ہو رہا تھا اور زمین باوجود کشائش کے مجھ پر تنگ ہو رہی تھی کہ میں نے ایک آدمی کی آواز سنی کہ پہاڑ سلع پر باآواز بلند کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک! تجھے بشارت ہو۔ میں سنتا ہی سجدہ میں گر پڑا اور جان گیا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کشائش آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فجر کی نماز پڑھتے ہی لوگوں کو ہماری توبہ کے قبول ہونے کی خبر کر دی۔ لوگ ہم کو بشارت دینے شروع ہو گئے اور دونوں میرے یاروں کے پاس بھی بشارت دینے والے پہنچے اور ایک گھوڑا دوڑا کر میری طرف آیا اور ایک آدمی نے بنی اسلم میں پہاڑ پر چڑھ کر آواز کی۔ آواز گھوڑے کے سوار سے پہلے پہنچی جب وہ شخص جس کی آواز میں نے سنی تھی میرے پاس آیا تو میں نے اپنے دونوں

کپڑے اتار کر بشارت کے عوض میں اس کو پہنا دیئے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس روز میرے پاس وہی کپڑے تھے جو دے دیئے اور میں نے دو کپڑے عاریتاً لے کر پہن لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر کے چلا۔ راستہ میں لوگ مجھے ملتے تھے اور توبہ کی قبولیت کی تہنیت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تجھے مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی حتیٰ کہ میں مسجد میں پہنچا۔ وہاں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے گرد مجتمع تھے۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور دوڑ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور تہنیت دی۔ واللہ! مہاجرین میں سے اس سے سوا دوسرا میری خاطر کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ کعب طلحہ کے اس کام کو ہمیشہ یاد کیا کرتا تھا۔ کعب کہتا ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکتا تھا۔ آپؑ نے فرمایا۔ تجھے بشارت ہو ایسے دن کی' جب سے تو ماں سے پیدا ہے' اس دن سے بہتر کوئی دن تجھ پر نہیں آیا۔ میں نے گذارش کی کہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ فرمایا' نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت ایسا روشن ہو جایا کرتا تھا کہ گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اور ہم اس حالت کو خوب جانتے تھے۔ میں نے آپ کے سامنے بیٹھ کر گذارش کی کہ یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے ہے کہ میں اپنا مال صدقہ کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے لئے رکھ لے کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ میں نے عرض کی کہ خیبر کی غنیمت میں سے جو مجھے حصہ ملا تھا وہ میں اپنے لئے رکھتا ہوں۔ میں نے پھر عرض کی۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرے صدق کے سبب مجھے نجات دی ہے۔ یہ بھی میری توبہ میں سے ہے کہ آئندہ میں اپنی زندگی میں سچ کے سوا کوئی بات نہ کروں گا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ جس دن سے میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کی ہے اس دن سے کسی مسلمان پر اللہ تعالیٰ نے ایسا انعام نہیں کیا جیسا صدق کے باعث مجھے انعام کیا ہے اور اس دن سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ اور امید ہے کہ خدا تعالیٰ آئندہ بھی مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔

اب دیکھو کہ فرمانبرداری اس کا نام ہے کہ جماعت سے ایک شخص الگ کیا جاتا ہے۔ بیوی کو بھی حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے پاس نہ جاوے اور دشمن کی طرف سے دلداری اور امداد کا وعدہ ملتا ہے مگر سرمو فرق نہیں آتا۔ غرضیکہ فرمانبرداری میں اپنے آپ کو دیتے وقت یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ کسی شیطان کی بیعت تو نہیں کرتے۔ اس لئے کثرت سے استغفار اور لاحول کرنی چاہئے کہ کہیں سابقہ بدیاں اور غلطیاں ٹھوکر کا موجب نہ ہوں۔ یہ خدا ہی کا دستِ قدرت ہوتا ہے جو کہ ایک نبی کا قائمقام کسی کو بناتا ہے۔ ان

پر مشکلات آتی ہیں مگر خدا بدلہ دیتا ہے۔ ان لوگوں میں تعظیم لامراللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ دونوں کمالات ہوتے ہیں۔ خدا کی کاملہ صفات کے یہ لوگ گرویدہ ہوتے ہیں اور مخلوق کی بے ثباتی اور لاشے ہونا ان کو بتلاتا ہے کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہے۔ اگر مزکی ہونا انسان کی اپنی طاقت کا کام ہوتا تو عقلمند اور مادی علوم کے محقق اعلیٰ درجہ کے پارسا ہوتے۔ مگر اسی قسم کے لوگ گمراہ خبث ہو کر خدا سے دور چلے جاتے ہیں۔ اس لئے مزکی ہونے کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی آدمی جس میں کشش اور جذب کی طاقت ہو' آوے۔ اس قسم کے انسان آتے ہیں لیکن لوگوں کے اندر جو غلط کاریاں ہوتی ہیں ان سے بعد ہو جاتا ہے۔ ان غلط کاریوں کی ایک بڑی اصل کبر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اول تواریخی واقعہ میں کیا ہے اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (البقرہ:۳۵)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اول انکار اور کبر ہی ایک ایسی شے ہے جو کہ فیضان الٰہی کو روک دیتی ہے۔ طاعون کے گذشتہ دورہ میں جو الہام حضرت اقدس کو ہوا تھا اس میں بھی ایک شرط لگی ہوئی تھی کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ (تذکرہ)۔ کبر تزکیہ نفس کی ضد ہے اور دونوں چیزیں ایک جاجمع نہیں ہو سکتیں۔

دوسری بات جو کہ انسانی ترقی کی سدراہ ہوتی ہے وہ اس کا نفاق ہے کہ جب کوئی دکھ ہوتا ہے تو خدا سے لمبے چوڑے وعدے کرتا ہے کہ اگر یہ دکھ مجھ سے دور ہو جاوے تو میں فلاں فلاں کام کروں گا۔ تیری عبادت کروں گا۔ صدقہ دوں گا۔ دین کی خدمت کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسے مواقع لوگوں کو بے روزگاری' تنگی معاش' کمی تنخواہ' اپنی اور بال بچوں کی بیماری وغیرہ میں پیش آتے ہیں۔ لیکن جب مشکل کا پہاڑ ٹل جاتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ کہ منافق ہو کر مرتے ہیں۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا (التوبہ:۷۷) اباء' استکبار' بدعہدی یعنی نفاق' یہ تین باتیں ہوئیں۔ چوتھی جھوٹ کی عادت ہے جو کہ انسان کو فیض الٰہی سے محروم رکھتی ہے۔ پس چاہئے کہ ہمیشہ اپنا اندرونا ٹٹولتے رہو کہ ان عیبوں میں سے کوئی ہمارے اندر تو نہیں ہے۔ ایک طرف محرومی کے اسباب پر غور کرے۔ دوسری طرف توبہ و استغفار سے کام لے۔ ورنہ یاد رکھو کہ بڑے خطرہ کا مقام ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ایک قوم نکلی تھی اور موسیٰؑ نے ان کو الٰہی ارادوں سے اطلاع بھی دے دی تھی کہ وہ تم پر انعام کرنا چاہتا ہے اور جتلا دیا تھا کہ اگر تم حکم نہ مانو گے تو خائب و خاسر ہو گے مگر قوم نے عذر تراشے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال جنگل میں بھٹکتے رہے اور ترقی کی رفتار روک دی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض وقت لوگوں کے اعمال ایک مامور کو بھی مشکل میں ڈالتے ہیں۔ اس لئے تم لوگوں کو فکر چاہئے کہ

ایک شخص مامور مرسل تم میں موجود ہے۔ تم نے اپنی برادری اور قوم اور خویش و اقارب کی پروانہ کر کے اس کے ہاتھ پر خود کو فروخت کر دیا ہے۔ اگر تم میں وہی بلائیں اور ظلمتیں موجود ہیں جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ والوں میں تھیں تو تم اس کے راستہ میں روک ڈالتے اور خود فیض سے محروم رہتے ہو۔ جو دنیا میں تو اسے قبول کر کے ناپسندیدہ بن گئے مگر اب خدا کے نزدیک نہ بنو۔

انسانی ترقی کا بڑا ذریعہ انسان کے ذاتی اخلاق ہوتے ہیں جن سے وہ واحد شخص خود اپنے نفس میں سکھ پاتا ہے اور امن اور آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ مثلاً اگر وہ کسی کی نعمت دیکھ کر حسد نہیں کرتا تو اس سوزش اور جلن سے محفوظ رہتا ہے جو کہ حاسد کے دل کو ہوتی ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو دیتا ہے تو یہ طمع نہیں کرتا تو اس عذاب سے بچا رہتا ہے جو کہ طمع کرنے سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ اخلاق فاضلہ حاصل کرتے ہیں وہ جزع فزع، شہوت اور غضب کے تمام دکھوں اور آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ذاتی سکھ کے ذرائع اخلاق فاضلہ ہیں۔ یہ بھی فضل کی ایک قسم ہے جو کہ انسان کو حاصل ہوتا ہے لیکن اس سے وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے جو اکٹھا ہونے سے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو کہ الٰہی فضل کی بہت قسمیں ہیں۔ اکیلے پر وہ فضل نہیں ہوتا جو کہ دو کے ملنے پر ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال دنیا میں موجود ہے کہ اگر مرد اور عورت الگ الگ ہوں اور وہ اس فضل کو حاصل کرنا چاہیں جو کہ اولاد کے رنگ میں ہوتا ہے تو وہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ دونوں نہ ملیں اور ان تمام آداب کو بجا نہ لاویں جو کہ حصول اولاد کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح ایک بھاری جماعت پر جو فضل الٰہی ہوتا ہے وہ چند آدمیوں کی جماعت پر نہیں ہو سکتا۔ ایک گھر کی آسودگی اور آرام کا فضل اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو جب ہی ہو گا کہ اسے مامائیں، خدمتگار اور سونے، کھانے، پینے، نہانے وغیرہ کے الگ الگ کمرہ اور ہر ایک کا الگ الگ اسباب ہونے کی مقدرت ہو۔ ایسے ہی اگر ترقی کرتے جاؤ تو بادشاہت اور سلطنت کے فضل کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک تم لوگوں میں باوجود اختلاف کے ایک عام وحدت نہ ہو گی اور ہر ایک تم میں سے دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش میں نہ لگا رہے گا تو تم خدا کے اس فضل عظیم کو حاصل نہ کر سکو گے جو ایک بھاری مجمع پر ہوتا ہے۔ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال:۶۴) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وحدت کی روح کو جو کہ صحابہ کرام میں پھونکی گئی تھی اس کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے تعبیر کیا ہے۔ اس وحدت کے پیدا ہونے کے لئے چاہئے کہ آپس میں صبر اور تحمل اور برداشت ہو۔ اگر یہ نہ ہو گا اور ذرا ذرا سی بات پر روٹھو گے تو اس کا نتیجہ آپس کی پھوٹ ہو

گا۔ اسی وحدت کی بنیاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ وَ اصۡبِرُوۡا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (الانفال:۴۷) یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور ان کی اطاعت اسی حال میں کر سکو گے جبکہ تم میں تنازع نہ ہو۔ اگر تنازعات ہوں گے تو یاد رکھو کہ قوت کی بجائے تم میں بزدلی پیدا ہو گی۔ اور جو تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہو گی وہ نکل جاوے گی۔ یہ بات تم کو صبر اور تحمل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کو اپنے اندر پیدا کرو۔ تب خدا کی معیت تمہارے شامل حال ہو کر وحدت کی روح پھونکے گی۔ پس اگر تم کوئی طاقت اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہو اور مخلوق کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتے ہو تو صبر اور تحمل سے کام لو اور تنازع مت کرو۔ اگر چشم پوشی سے باہم کام لیا جاوے تو بہت کم نوبت فساد کی آتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جسمانی بیماریوں کے لئے تو علاج اور دوا تلاش کرتے ہیں لیکن روح کی بیماری کا فکر کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت کی مثال ایک جنم کے اندھے کی سی ہے کہ اس سے اگر بینائی کی خوبی اور لذت دریافت کی جائے تو وہ اسے جانتا ہی نہیں ہے اور اسی لئے اس کے آگے بینائی کی قدر بھی نہیں کیونکہ اس نے اس لذت کو پایا نہیں۔ پس اس وقت کے موجودہ مسلمان بھی اس طاقت کی خوبی کو جو کہ قومی اتحاد اور وحدت سے پیدا ہوتی ہے نہیں پہچانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنت ان کے ہاتھ سے جا چکی ہے اور اسی لئے انہیں اس طرف توجہ بھی نہیں کہ دوسرے کو اپنے ماتحت کس طرح کیا کرتے ہیں۔ آج کل اگرچہ ریفارمیشن کے مدعی تو سینکڑوں ہیں لیکن وہ کیا ریفارمیشن کریں گے جبکہ خود ہی بغضوں اور کینوں میں گرفتار ہیں۔ دعویٰ تو ہے مگر سمجھ نہیں کہ یہ خدا کے مامور ہی کا کام ہے جو کر سکتا ہے۔

پس اے عزیزو اور دوستو! اپنی کمزوری کے رفع کے لئے کثرت سے استغفار اور لاحول پڑھو اور رب کے نام سے دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ تمہاری ربوبیت یعنی پرورش کرے۔ تم کو مظفر و منصور کرے تاکہ تم آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نیک نمونہ بن سکو۔ یہ نہ ہو کہ خدا نخواستہ لَعَنَتۡ اُخۡتَہَا (الاعراف:۳۹) کے مصداق بنو (جب دوزخیوں کا ایک گروہ دوزخ میں داخل ہو گا تو جو اس میں اول موجود ہوں گے وہ ان پر لعنت کریں گے کہ ہم نے تو کچھ نہ کیا تم ہی کرتے تھے) جیسے آجکل کے رافضی ہیں۔ اس کا بچاؤ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ سچی اتباع کرو۔ اپنے استنباط اور اپنے اجتہاد جس سے تم نفس کے دھوکہ میں آ جاتے ہو، دور کرو۔ آپس میں خوش معاملگی اور احسن سلوک برتو۔ رنج، بخل، حسد، کینہ سے بچو کہ خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق جو کہ اس نے اپنے مرسل کی جماعت سے کیا ہے اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا (المومن:۵۲) پورا ہو کر رہے۔ مطلق انسان کی

کوشش سے کامیابیاں حاصل نہیں ہوا کرتیں۔ کیونکہ یہ سارے علل اسباب سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو ایک سال کی جانکاہ محنت سے زمیندار خرمن جمع کرتا ہے مگر جسے اتفاق کہتے ہیں اس سے آگ لگ کر سارے کا سارا خاک ہو جاتا ہے۔ اگر اسے کامل علم ہوتا اور کامل اسباب حفاظت پر دہ احاطہ کر سکتا تو کیوں یہ بربادی دیکھتا۔ یہی حالت انسان کے اعمال کی ہے۔ اگرچہ وہ بڑے بڑے اعمال کرتا ہے لیکن ایک مخفی گند اندر ہوتا ہے جس سے وہ تمام برباد ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج وہی ہے جو کہ ذکر کیا کہ دعا اور استغفار اور لاحول سے کام لو۔ پاک لوگوں کی صحبت میں رہو۔ اپنی اصلاح کی فکر میں مضطر کی طرح لگے رہو کہ مضطر ہونے پر خدا رحم کرتا ہے اور دعا کو قبول کرتا ہے۔ دوسرے کی تحقیر مت کرو کہ اس سے خدا بہت ناراض ہوتا ہے اور دوسرے کو حقیر جاننے والے لوگ نہیں مرتے جب تک کہ اس گند میں خود نہ مبتلا ہوں جس کی وجہ سے دوسرے کو حقیر جانتے ہیں۔

(اس تقریر کے بعد حضرت حکیم الامت بیٹھ گئے اور پھر کھڑے ہو کر فرمایا)

آج عید کا دن ہے اور رمضان شریف کا مہینہ گزر گیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ایام تھے جبکہ اس نے اس ماہ مبارک میں قرآن شریف کا نزول فرمایا اور عامہ اہل اسلام کے لئے اس ماہ میں ہدایت مقدر فرمائی۔ راتوں کو اٹھنا اور قرآن شریف کی تلاوت اور کثرت سے خیرات و صدقہ اس مہینہ کی برکات میں سے ہے۔ آج کے دن ہر ایک کو لازم ہے کہ سارے کنبہ کی طرف سے محتاج لوگوں کی خبر گیری کرے۔ دو بک گیہوں کے یا چار جو کے ہر ایک نفس کی طرف سے صدقہ نماز سے پیشتر ضرور ادا کیا جاوے اور جن کو خدا نے موقع دیا ہے وہ زیادہ دیویں۔ اس جگہ مختلف ضرورتیں ہیں کہ جن کے لئے لوگوں کے خیرات کے روپیہ کی ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا کل روپیہ ایک جگہ جمع ہوتا تھا اور پھر آپؐ اسے مختلف مدوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک یہاں مدرسہ ہے اور اس وقت اسے بڑی ضرورت امداد کی ہے۔ مہمانوں کو بھی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض وقت دیکھا گیا ہے کہ ان بیچاروں کا سفر خرچ کسی گناہ کے باعث یا کسی مصلحت الٰہی سے جاتا رہتا ہے۔ مثلاً کسی نے چرا لیا یا گر گیا وغیرہ۔ پھر غور کرو کہ مسافرت اور اجنبیت میں کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک گروہ مساکین کا رہتا ہے۔ تو ان سب کے لئے اخراجات کی ضرورت ہے۔

یہاں رہنے والے تین طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو حصول ایمان کے لئے رہتے ہیں اور ان کو متواتر تجربہ سے علم ہو گیا ہے کہ ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خبر گیری کرتا ہے۔ بعض لوگ ملازم ہیں اور ان کی معاش کی سبیل قائم ہے۔ اور ایک گروہ وہ ہے جو صرف محبت کی وجہ سے رہتا

ہے مگراپنی ضرورتوں کو رفع نہیں کر سکتا۔ پس میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے ایک جماعت قائم ہو جو ان سب کی خبر گیری کیا کرے اور اس قسم کے صدقہ اور خیرات کے روپیوں کو مناسب مقام پر تقسیم کر دیا کرے۔ بعض طالب علم مدرسہ کے اور بعض ہمارے پاس بھی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے خبرگیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس اگر جماعت قائم ہو تو وہ اس کی بھی خبر لے سکتی ہے۔ انسانی ہمدردی اور باہمی تعاون کے بہت برکات اور افضال ہیں اور اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر وعدہ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ اَخِیْہِ (احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)۔

میں چونکہ یہاں رہتا ہوں اور پھر سارے دن باہر رہتا ہوں اس لئے مجھے ان ضرورتوں کا علم ہے اور میری نسبت دوسروں کو کم ہے۔ خدا ہی ان کا سرانجام دینے والا اور مجھے بھی وہی دیکھنے والا ہے۔ ایسے امور کے لئے آپ سعی کریں اور دوسرے بھائیوں تک بھی پہنچا دیویں۔ جیسے ہمارے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کوئی فوجی کمانڈر تھا۔ کوئی کاتب تھا۔ کوئی قرآن پڑھانے والا تھا۔ کوئی اخوت کی بہتری کی فکر کرنے والا تھا۔ کوئی بادشاہوں کے پاس خطوط پہنچاتا تھا۔ کوئی نیک تحریکیں کرنے والا تھا۔ ایسے ہی اگر مختلف مدیں مختلف لوگوں کے سپرد ہوں اور ایک کمیٹی قائم ہو کر ان سب امور کی ترتیب کیا کرے تو امید ہے کہ بہت کچھ انتظام ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ مجھے اور آپ کو عملدرآمد کی توفیق عطا فرماوے۔

اس کے بعد حکیم صاحب موصوف نے حضرت اقدس علیہ السلام سے درخواست کی کہ حضور دعا فرماویں کہ ہم سب کو نیکی اور عملدرآمد کی توفیق عطا ہو۔ خصوصاً مجھ کو کہ لوگوں کو تو سناتا ہوں، کہیں خود ہی اس پر عملدرآمد سے نہ رہ جاؤں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے دعا فرمائی۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱ --- ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱-۱۲)

و

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲ --- ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۹-۱۱)

☆-☆-☆-☆